آواز ختم یا بیٹھ جاتی ہے اور عموماً اس میں بہتری کا امکان نہیں رہتا۔ اگر نرو سالم رہے اور حرکت کرنے والے ووکل کارڈ کسی مقامی جراحت، گروتھ ٹیومر ورم کانسر کی وجہ سے خراب ہو جائے تو آواز پر اثر پڑتا ہے۔ کانسر یا ٹیومر بہت جلد ووکل کارڈ کے ساتھ حنجرہ یعنی حلق کی نالی کو بھی مسدود کر دیتا ہے اور جلد موت واقع ہوتی ہے۔

علامہ اقبال کی آواز جب کئی مہینوں کے طبی اور ایلو پیتھک علاج کے باوجود ٹھیک نہ ہو سکی تو لاہور کے ریڈیالوجسٹ ڈاکٹر ڈک نے سینے کا ایکس رے لیا اور یہ تشخیص دی کہ دل کے اوپری حصے میں ایک نئی گروتھ یا ٹیومر ہے جو ووکل کارڈس کی نرو پر دباؤ ڈال رہا ہے اس لیے علامہ کی آواز بیٹھ گئی ہے چنانچہ اس گروتھ کو جو علامہ کی زندگی کے لیے بھی خطرہ ہے ایکس ریز ایکسپوژر یا ریڈیم سے جلا دینا چاہئے اور اس کے لیے لندن یا آسٹریا میں عمدہ علاج میسر ہے۔ دوسرے ریڈیالوجسٹ ڈاکٹروں نے اس تشخیص کی مخالفت کی۔ حکیم نابینا نے بھی اسے قبول نہیں کیا چنانچہ بعد میں یہ تشخیص غلط سمجھی گئی۔ اور یہ کہا گیا کہ گروتھ نہیں بلکہ شاہ رگ کا ایک حصہ پھیل گیا ہے جس کو انورزم (Aortic Aneurysm) کہتے ہیں۔

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں علامہ کی آواز آخری چار ساڑھے چار سال میں کئی بار کچھ بہتر ہوئی اور پھر سردی زکام وغیرہ سے بدتر ہو گئی۔ اگر نرو کی وجہ سے آواز کا عارضہ ہو تو اس میں تبدیلی مشکل ہے اس کے علاوہ جب سینے میں کوئی ٹیومر وغیرہ نہ ہو تو نرو پر فشار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں تک Aorta کے انورزم کی تھیوری کا تعلق ہے وہ اس نرو پر دباؤ نہیں ڈال سکتا اس کے علاوہ خود انورزم کی تھیوری صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ علامہ کی آواز بیٹھ جانے کی اصلی وجہ خود ووکل کارڈ کی خرابی تھی جیسا کہ ڈاکٹر ڈیلشر نے بھی اسے مقامی خرابی ہی کہا تھا۔

ووکل کارڈ کی حرکت میں کمی جس کو تار کا ڈھیلا ہونا بھی کہتے ہیں کئی وجہ سے ہوتی ہے جن میں اہم وجوہات حسب ذیل ہیں:

۱۔ آواز کا شدید اور پر زور مصرف جو گویوں وغیرہ میں ہوتا ہے جس سے ووکل کارڈ پر دانے بن جاتے ہیں، جن کو Singers Nodules کہتے ہیں۔

۲۔ ووکل کارڈس پر مسّوں کی نشوونما (warts & polyps) جو انھیں بے حرکت یا کم حرکت کر دیتے ہیں۔

۳۔ ووکل کارڈ اور حلق کی نالی کا کینسر جو ووکل کارڈ کو تباہ کر دیتا ہے۔

۴۔ Hypothyroidism تھیرائیڈ غدڈے کی کم کارگی وغیرہ۔

ہم جانتے ہیں کہ علامہ نے تقریباً تمام عمر تمبا کو نوشی کی چنانچہ ووکل کارڈ پر polyp کی پیداوار اسی وجہ سے ہو سکتی ہے اور polyp کی وجہ سے ووکل کارڈ کی حرکت میں کمی ہو سکتی ہے چونکہ اقبال کو برونکائٹس اور برفاشت تھی اور جب کبھی نزلہ و زکام ہو جاتا حلق کے ورم سے خراب ووکل کارڈ متورم ہو کر اور بھی بے حرکت ہو جاتے اس لیے آواز کبھی کم خراب اور کبھی زیادہ خراب رہتی۔

اقبال نے جتنا علاج اپنی آواز کو ٹھیک کرنے کے لیے کیا کسی اور مرض کے لیے نہیں کیا کیوں کہ آواز کے بیٹھ جانے کے بعد اقبال کی اجتماعی زندگی بہت متاثر ہو چکی تھی۔ان کی پراکٹیس جو ان کا ذریعہ معاش تھا ختم ہو چکی تھی۔ خطبات، تقاریر، اور مختلف کانفرسوں میں شرکت بھی اسی وجہ سے ختم ہو چکی تھی۔تلاوت کا مزا ان سے چھن گیا تھا چنانچہ بعض اوقات کہتے تھے اگر آواز عود کر آئے تو اُسے خاص خدا کی رحمت تصور کروں گا۔

ہمارے خیال میں اقبال کے ووکل کارڈ پر تمبا کو نوشی کی کثرت سے polyps کی نشوونما ہوئی جن کے وزن اور مقامی خرابی کی وجہ سے تار ڈھیلے ہو گئے اور ان کی حرکت کم ہو گئی جن سے hoarseness پیدا ہوئی چنانچہ جب کبھی حلق میں ورم زیادہ ہوتا یا باریک بلغم جو برونکائٹس کی وجہ سے ووکل کارڈ پر جم جاتی ہے تو اور بھی آواز کا نکلنا مشکل کر دیتی ہے۔برقی علاج سے عارضی طور پر ورم میں کمی ہوئی اور آواز کچھ بہتر معلوم ہوئی لیکن جیسے ہی کچھ دن گزرے اور کچھ سردی زکام اور کھانسی شروع ہوئی آواز پھر خراب ہو گئی۔

ہمیں کسی خط یا مستند حوالے سے یہ بات کا پتہ نہیں ملتا کہ ان کے حلق اور ووکل کارڈ کا معائنہ کبھی کیا گیا ہو شاید اُس زمانے میں اس قسم کے آلات میسّر برصغیر میں نہیں تھے جو آج موجود ہیں یہاں ڈاکٹر اپنی کلینک میں مریض کی ناک کے سوراخ سے ایک باریک تار کا اسکوپ ڈال کر ایک منٹ کے اندر ووکل کارڈ کا معائنہ کر لیتے ہیں اور اسی طرح سے با آسانی دانے اور polyp کو ووکل کارڈ سے کھروچ کر نکال دیتے ہیں جس سے آواز ٹھیک ہو جاتی ہے لیکن افسوس کہ علامہ کو یہ علاج میسّر نہ ہوا اور ان کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔کاش اقبال لندن یا آسٹریا جاتے اور وہاں اس کی تشخیص اور علاج کرواتے۔

ع۔ یک کاشکی بود کہ بصد جا نوشتم

ذیل کے خاکے میں ایک دانہ polyp کی تصویر دکھائی گئی ہے جو ووکل کارڈ کی حرکت کم کرنے کے لیے کافی ہے۔

❁❁❁

ناک اور حلق کی بیماریاں

ناک اور حلق کی بیماریاں اگرچہ جان لیوا بیماریاں نہیں تھیں لیکن علامہ اقبال کی روزمرہ زندگی میں بہت اہمیت رکھتی تھیں۔ علامہ کے ڈیڑھ سو سے زیادہ مطبوعہ خطوط میں ان کا ذکر ہے۔ علامہ کی ناک اور حلق کی بیماریوں کو چار عوارض میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱	نزلہ، زکام اور کھانسی	Common Cold
۲	دردِ گلو	Throat Pain, Tonsillitis
۳	دردِ حلق	Laryngitis
۴	آواز کا بیٹھ جانا	Hoarseness of Voice

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال قوی ارادہ اور تکمل مزاج تھے لیکن تکمل مزاجی میں ان کی نازک مزاجی اور صحت کی فکر و تشویش ہمیشہ شامل رہی۔ خطوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی سی کھانسی اور زکام کی وجہ سے سفر ملتوی کر دیتے۔ علاج اور پرہیز میں مشغول ہو جاتے اور اس کا تذکرہ اپنے دوست و احباب سے کرتے۔ بچپن سے ناک، حلق اور سینہ کمزور تھا۔ اس پر مسلسل تمباکو نوشی کرتے اور ورزش اور چہل قدمی سے گریز کرتے۔

ہم اس تحریر میں نزلہ، زکام، کھانسی، دردِ گلو اور دردِ حلق پر سرسری نظر ڈال کر اپنی تمام توجہ اقبال کی آواز پر دیں گے جو علامہ کے لیے ان کی بیماریوں میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔

خطوں اور حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی علامہ کو خصوصاً سردیوں میں نزلہ، زکام، کھانسی، بخار اور بدن درد ہو جاتا تو فوراً یونانی دوا جوشاندہ پیتے، نسبتاً کچھ آرام کرتے اور خوراک میں شوربہ وغیرہ کا استعمال ضرور کرتے۔ چونکہ انھیں سردی کا احساس ہمیشہ زیادہ ہوتا اس لیے معمولی سی سردی کے وقت بھی انگیٹھی اپنے قریب رکھواتے ویسے انھیں گرمیوں میں آرام سے بغیر پنکھے کے کام کرنے کی عادت تھی۔

خالد نذیر صوفی اقبال درونِ خانہ میں لکھتے ہیں---

''گرمی کے مقابلے میں سردی کا احساس انھیں زیادہ ہوتا تھا۔ گرمیوں میں عام طور پر بغیر پنکھے کے بیٹھے رہتے لیکن سردیوں میں جہاں بیٹھتے کوئلوں کی انگیٹھی قریب رکھواتے، گھر پر پاؤں میں سلیپر کے بجائے سیاہ رنگ کا پمپ شو (گرگابی) پہنتے جس کے اوپر ''بو'' لگی ہوتی تھی۔

سردیوں میں جب کبھی انھیں نزلہ، زکام ہو جاتا تو ان کی برونکائیٹس اور برفشت میں شدت ہو جاتی اور بلغم کی تولید بڑھ جاتی۔ نہ جانے کیوں علامہ کو اندیشہ تھا کہ انھیں ملیریا کے بخار اور دورے ہوتے ہیں چنانچہ کئی خطوں میں اس بات کا بھی ذکر ملتا ہے کہ بخار کچھ سردی کے ساتھ آیا اور پیشاب بھی تیز اور کچھ جلن سے ہوا چنانچہ ملیریا سمجھ کر کونین کی گولیاں کھائی جبکہ یہ بخار کسی بھی معمولی انفکشن یا وائرس کا باعث ہو سکتا تھا۔ خصوصی طور پر جب پیشاب گہرے زرد یا سرخ رنگ اور جلن کے ساتھ ہو تو یہ گردے مثانہ کی پتھری اور عفونت (Infection) کی اطلاع دیتا ہے۔ بہرحال اقبال عادتاً کم پانی پیتے تھے جیسا کہ ان کی بھتیجی وسیمہ مبارک نے لکھا ہے۔ جبکہ نزلہ، زکام، کھانسی، بخار اور گردے مثانہ کی عفونت کے امراض کے لیے زیادہ پانی کا استعمال ضروری تھا اس لیے اقبال کے معمولی عارضے بھی ہفتوں میں ٹھیک ہوتے تھے۔

اقبال نے اپنے خطوط میں گلو درد، اور حلق کے درد اور انفکشن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ انھیں Laryngitis ہو گیا تھا۔ عام طور سے گلو درد اور حلق درد کی تکلیف کی وجہ ٹھنڈی ہوا اور ٹھنڈے شربت لسی، فالودہ جنھیں برف کے ساتھ بنایا جاتا ہے، سمجھتے تھے۔ دہی کے بڑے شوقین تھے اور اس کا استعمال زیادہ کرتے تھے۔ کسی بھی خط یا اطرافیان کے حوالوں سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ کسی معالج نے ان کی تمباکو نوشی کا نوٹس لے کر انھیں تمباکو نوشی سے پرہیز کی ہدایت کی ہو۔ البتہ نہ جانے کیوں حکیم فقیر محمد نے علامہ کو دودھ اور ہر وہ شئے جو دودھ سے بنی ہو اس کے استعمال سے منع کیا تھا۔

آواز کا بیٹھ جانا (Hoarseness of Voice)

یہ سچ ہے کہ حلق کی بیماری، گلے کا درد اور آواز کے بیٹھ جانے کو ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اقبال کے اکثر خطوط میں ان عوارض کو ملا کر اور ایک ہی سمجھ کر مطرح کیا گیا ہے لیکن چونکہ آواز کے بیٹھ جانے کا مسئلہ اقبال کی بیماری اور خصوصاً ان کی آخری علالت کا سب سے اہم موضوع بنا رہا اور مرض الموت کے جان لیوا حملوں میں بھی اس کا احساس شدید رہا۔ اور اس کی وجہ سے حلق اور سینے کے ایکس ریز لیے گئے۔ آواز کے بیٹھ جانے کی وجہ سے بھوپال میں تین مرتبہ بجلی کا علاج ہوا۔ اسی عارضہ کی خاطر اقبال آسٹریا (ویانا) جانا چاہتے تھے اور اسی کے لیے مسلسل حکیم نابینا سے اکسیر کے منتظر تھے۔ اقبال کی آواز جنوری 1934ء سے بیٹھ گئی تھی اگرچہ وقتاً فوقتاً بعض اوقات اس میں کسی قدر افاقہ ہوتا یا بقول اقبال

آواز میں انسانی خاصہ کی کیفیت عود کر آتی لیکن انتقال کے وقت تک آواز کبھی نارمل یا طبعی نہ ہو سکی۔ اقبال کی آواز بیٹھ جانے کی جو علتیں بیان کی گئی تھیں ان میں اکثر آج جدید طبی نقطہ نظر سے مسترد کی جا سکتی ہیں۔ اقبال کے تیس(30) معالجین میں اکثر معالجین اسی عارضہ کے علاج کرنے سے متعلق ہیں۔ خطوط اور اقبال کی میڈیکل ہسٹری کے بیانات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اقبال کا گلا صحیح میں خراب رہتا اور جب تک باریک سفید بلغم خارج نہ ہوتی آواز صاف نہ ہوتی چنانچہ جب کبھی نزلہ، زکام، کھانسی بخار اور انفلوئنزا یا گلو درد ہوتا تو آواز پر اثر انداز رہتا لیکن کچھ دنوں یا ہفتوں میں آواز عود کر نارمل ہو جاتی مگر جنوری 1934ء میں جب آواز بیٹھ گئی تو پھر علاج کرنے کے بعد بھی آواز کبھی نارمل نہ ہو سکی۔

ہم پہلے خود اقبال کی زبانی آواز کی گفتگو سنیں گے۔

اقبال ۱۳ر جون ۱۹۳۶ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں۔۔۔

''دو سال سے اوپر ہو گئے۔ جنوری کے مہینے میں عید کی نماز پڑھ کر واپس آیا سویاں دہی کے ساتھ کھاتے ہی زکام ہوا۔ بہیدانہ پینے پر زکام بند ہوا تو گلا بیٹھ گیا۔ یہ کیفیت دو سال سے جاری ہے بلند آواز سے بول نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے بالآخر بیرسٹری کا کام بھی چھوڑنا پڑا۔ انگریزی اور یونانی اطبا دونوں سے علاج کیا مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔

اس خط سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علامہ کی آواز تقریباً جنوری ۱۹۳۴ء سے بیٹھ گئی تھی جو ان کے انتقال یعنی سوا چار سال تک بحال نہ ہو سکی۔ جس کا علامہ کی روزمرہ زندگی، سیاسی زندگی کے ساتھ معاشی اور اقتصادی حالات پر گہرا اثر چھوڑا۔

(i) علامہ نے جلسوں اور میٹنگوں میں قریباً تقریر کرنا چھوڑ دیا۔

(ii) علامہ نے بیرسٹری کا کام بھی پہلے کم اور بعد میں ترک کر دیا۔

(iii) علامہ نے قرآن کی با آواز بلند تلاوت جو ہر صبح کیا کرتے تھے چھوڑ دی۔

(iv) علامہ نے سیاست اور انتخابات میں بھی شرکت کم کر دی۔

(v) آواز کے بیٹھ جانے کے بعد علامہ کی نفسیات بھی مجروح ہوئی اور عام طور پر علامہ غم زدہ نظر آنے لگے جس کا ذکر علامہ کے احباب اور اطرافیان نے خاص طور پر کیا۔

علامہ کے خطوط جن کے کچھ حصے یہاں دیے جا رہے ہیں مطالب کو مزید واضح کر سکیں گے۔

۱۷ر جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

آواز میں جیسے کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں فرق آگیا ہے۔عجب معاملہ ہے جس سے انسانی ضمیر کے اندر جو کچھ گزر رہا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ میری بیماری میں محض اس واسطے دلچسپی لے رہے ہیں کہ دیکھیں ڈاکٹروں کو کب شکست ہوتی ہے۔حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کردیں کہ اب کی دفعہ اس سے زیادہ طاقت ور دوا ہو تو اور بھی اچھا ہے تا کہ معجزہ کا ظہور جلد ہو۔حکیم صاحب اوقات خاص میں مجھے بھی یاد رکھیں۔

۲۳ر جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

پچھلے ہفتہ میں جو کسی قدر ترقی آواز میں ہوئی تھی دوسرے ہفتے میں اس پر کوئی اضافہ معلوم نہیں ہوا۔حالت وہی ہے جو پچھلے ہفتے کے آخر میں تھی۔حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کردیں، نیز یہ بھی معلوم کیجئے کہ بالعموم دن اور رات میں آواز بہتر ہوتی ہے۔طلوع آفتاب و غروب آفتاب کے وقت حالت کچھ بہتر نہیں ہوتی۔معلوم نہیں اسکا کیا سبب ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ گلے کے دونوں اطراف جونک لگوانی چاہئے۔حکیم صاحب اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔تجربے سے معلوم ہوا کہ دہی، لسی کا اچھا اثر نہیں ہوتا۔علیٰ ہذا القیاس فالودہ بھی پی کر میں نے دیکھا ہے اس کا اثر بھی اچھا نہیں ہوا۔

۲۴ر جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ دوسرے ہفتہ کی دوا نے پہلے ہفتہ سے ترقی جو آواز میں ہوئی تھی کوئی اضافہ نہیں کیا بلکہ ترقی معکوس میں ہوئی اُن کے وجوہ جہاں تک سوچ سکتا ہوں تین ہو سکتے ہیں۔

۱۔میں نے دہی کھایا اور لسی بھی پی

۲۔فالودہ پیا (برف ڈال کر)

۳۔آپ نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ دوا کی مقدار دوگنی کردی گئی ہے شاید ڈوز کے بڑھ جانے سے آواز نے ترقی معکوس کی

اقبال ۱۲ر اپریل ۱۹۳۴ء کو ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ کو لکھتے ہیں --

خدا کا شکر میری صحت عامہ اب اچھی ہے۔مگر حلق کی تکلیف ابھی باقی ہے۔

۸ر مئی ۱۹۳۴ء کو راغب احسن کو لکھتے ہیں ---

میں ابھی تک گلے کی تکلیف میں مبتلا ہوں۔

۲۲ر مئی ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

گلے کی شکایت تو ابھی باقی ہے مگر اب رفتہ رفتہ صحت کی طرف ترقی ہے اور یہ ترقی نمایاں طور پر کل سے ہی شروع ہے۔ علاج ڈاکٹر یا رمحمد صاحب کا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ ہندوستانی دواخانہ دہلی میں کوئی شربت ہے جو گلے کی بیماریوں کے لیے مفید ہے۔ گر یہ بات درست ہو تو آپ وہاں سے ایک بوتل شربت بذریعہ وی پی میرے نام بھجوا دیں۔

۲۹ رمئی ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

آپ حکیم ناہیا صاحب کی خدمت میں پھر میری طرف سے حاضر ہوں اور بیماری کے حالات عرض کریں ڈاکٹر کہتے ہیں کہ گلے کے نیچے جو آلۂ صوت ہے اس کا تار ڈھیلا ہو گیا ہے اس وجہ سے آواز بیٹھ گئی ہے چار ماہ تک علاج ہوا مگر کچھ خاص فائدہ اس سے نہیں ہوا ہے۔ درد گرہ کا پھر دورہ نہیں ہوا۔ جب سے ان کا علاج کیا ہے آج چھ سال ہو گئے اس درد نے پھر تکلیف نہیں دی۔ البتہ نقرس کی شکایت کبھی کبھی ہو جاتی ہے۔ بعض ڈاکٹر یہ کہتے ہیں کہ نقرس کا اثر گلے پر پڑ سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱ راگست ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

آواز میں خفیف سی تبدیلی ہے۔ آواز میں Hoarseness معلوم ہوتی ہے۔ بلغم کل سے کم نکلتا ہے۔

اگست ۱۹۳۴ء میں سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

چونکہ دو ماہ میں کوئی زیادہ محسوس ترقی آواز میں نہیں ہوئی اس واسطے اب ڈاکٹر صاحبان بغلیں بجاتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آواز درست نہ ہوگی۔ میں بھی کبھی مایوس ہو جاتا ہوں مگر حکیم صاحب کی توجہ اور ان کی روحانیت پر بھروسہ رکھتا ہوں۔

۱۲ رستمبر ۱۹۳۴ء۔ سید عبدالواحد معینی کے نام ---

یونانی دوا کے استعمال سے صحت عامہ بہت اچھی ہو گئی مگر آواز پر کوئی نمایاں اثر نہ ہوا۔

۱۲ رستمبر ۱۹۳۴ء۔ راغب حسن کے نام ---

میری صحت عامہ حکیم ناہیا کے علاج سے بہت اچھی ہو گئی ہے بلکہ تمام عمر میں ایسی نہ تھی البتہ ابھی تک آواز میں جو اصل شکایت ہے کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی گو بہ نسبت سبق قدر فرق ہے۔ باتیں کر سکتا ہوں۔ خطابت نہیں کر سکتا نہ کچہری جا کر مقدمات پر بحث کر سکتا ہوں۔ غالباً ابھی چند ماہ اور علاج ہوگا تو آواز اپنی اصلی حالت پر عود کرے گی۔ علامہ اپنی آواز، خوراک اور بیماری کے بارے میں ۱۲ رنومبر ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

① کھانا کھانے، چائے پینے، مرغ کا شوربہ پینے یا پانی پینے کے بعد بلغم خاص طور پر

نکلتی ہے۔علیٰ ہذا القیاس صبح کے وقت بھی خاص طور پر نکلتی رہتی ہے۔ پہلے یہ بلغم پختہ اور ٹھوس بھی ہوتی تھی اب اس قدر ٹھوس نہیں البتہ لزوجت ہے۔

(ii) بلغم نکلنے کے بعد آواز نسبتاً صاف ہو جاتی ہے۔

(iii) کبھی کبھی دن میں ہچکی بھی ہوتی ہے۔مگر صرف ایک دفعہ۔ایسا دن میں ایک، دن بھر میں دو تین دفعہ سے زیادہ نہیں ہوتا

(iv) رات کو یہ ہچکی مطلق نہیں ہوتی اور نیند خوب آتی ہے۔

(v) قبض رہتی ہے۔پاخانہ کھل کر نہیں آتا۔

(vi) بھوک کسی قدر کم ہوگئی ہے۔اس دوا سے پہلے جو دوا حکیم صاحب نے ارسال فرمائی تھی اس میں معلوم ہوتا ہے حکیم صاحب نے قبض کا خاص طور پر خیال رکھا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید قبض کو بھی آواز کی ترقی، تخیل نہ ہونے میں دخل ہو۔ بہر حال اس کا فیصلہ حکیم صاحب کریں گے۔

۲؍جنوری ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

میری آواز کی حالت یہی ہے کہ کسی وقت تو بہت اچھی ہوتی ہے اور کسی وقت اچھی نہیں رہتی۔بالعموم میں نے یہ نوٹس کیا ہے کہ دس بجے جو دوا پان میں کھائی جاتی ہے اس کے بعد آواز کسی قدر بیٹھ جاتی ہے۔اس دوا کا اثر اچھا نہیں پڑتا۔اس سے پہلے جو دوا پان میں کھائی جاتی تھی اس کا اثر بھی اچھا نہ تھا۔

۱۷؍جنوری ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

کل میری آواز تمام روز نسبتاً بہتر رہی۔

۱۵؍اگست ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

صحت خوب ترقی کر گئی ہے۔آواز میں بھی فرق ہے۔امید ہے اب علاج سے فائدہ ہوگا۔

۸؍اکتوبر ۱۹۳۵ء۔ڈاکٹر عبدالباسط کو لکھتے ہیں۔۔۔

خدا کے فضل و کرم سے میری صحت اچھی ہے اور آواز میں بھی امپروومنٹ ہے۔

۲۹؍اکتوبر ۱۹۳۵ء کو سید خلیل احمد کو لکھتے ہیں۔۔۔

میں تقریباً دو سال سے علیل ہوں۔ گلے کی بیماری ہے جس کی وجہ سے کسی قسم کی تقریر نہیں کر سکتا۔

یکم نومبر ۱۹۳۵ء کو ڈاکٹر عبداللطیف کو لکھتے ہیں۔۔۔

تیس ماہ سے گلے کے عارضے میں مبتلا ہوں اور بغرض علاج ویانا جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

۳/ جنوری ۱۹۳۶ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

میں خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ ایک ایرانی الاصل سید زادے کی دوا سے بہت فائدہ حاصل کیا۔ کیا عجب کہ آواز پھر عود کر آئے اس کا دعویٰ تو یہی ہے اس واسطے میں نے چند روز کے لیے بھوپال جانا ملتوی کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ سردی بھی بہت تھی۔ غالباً جنوری کے آخر میں جاؤں گا۔

۸/ فروری ۱۹۳۶ء ڈاکٹر عبدالباسط کو لکھتے ہیں ---

ان سردیوں میں مجھے نزلہ سے سخت تکلیف رہی جواب خاصی ہے۔ گو آواز میں کوئی خاص نمایاں ترقی نہیں۔ اب کے فوٹو سے معلوم ہو جائے گا۔

۱۷/ مارچ ۱۹۳۶ء کو پروفیسر فضل شاہ گیلانی کو لکھتے ہیں ---

میں چند روز سے اپنے گلے کے برقی علاج کے لیے مقیم ہوں۔ معمولی سا افاقہ ہے لیکن میں سمجھتا ہوں میری صحت کُلّی طور پر خراب ہو چکی ہے اور مجھے اپنے باقی ماندہ دنوں میں حد درجہ محتاط رہنا ہوگا۔

۲۴/ مارچ ۱۹۳۶ء کو سردار راؤ سنگھ کو لکھتے ہیں ---

میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میری صحت کافی بہتر ہو گئی ہے اور آواز بھی آہستہ آہستہ بہتر ہو رہی ہے پریس کو کچھ غلط فہمی ہوئی جس کی وجہ سے میرے دوستوں کو بے حد تردد ہوا۔ بہر حال میں اچھا ہوں۔

۲۸/ اپریل ۱۹۳۶ء کو مولانا عبدالماجد دریابادی کو لکھتے ہیں ---

میں خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔ صحت عامہ تو تقریباً بحال ہو گئی ہے البتہ آواز میں ابھی کسر باقی ہے۔ یہاں کے کالجوں کے مسلمان طلبہ کی ایک جمعیت ہے انھوں نے ایک اپیل کی اخباروں اور ان کے ناظرین کو غلط فہمی ہوئی۔

۲/ مئی ۱۹۳۶ء کو سر راس مسعود کو لکھتے ہیں ---

کئی دن سے تمہارا خط نہیں ملا۔ میں منتظر ہوں۔ خیر خیریت تو لکھ دیجئے۔ اگر تم مصروف ہو تو ممنون صاحب سے کہہ دیجئے کہ دو حرف لکھ دیا کریں میری صحت خدا کے فضل سے بحال ہو گئی ہے بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس بیماری سے پہلے جو حالت تھی وہ عود کر آئی ہے۔ البتہ آواز میں ابھی اتنی ترقی نہیں ہوئی جتنی کہ امید تھی گو پہلے سے بہتر ہے۔

۱۴/ جون ۱۹۳۶ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں --

۴/اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ تبدیلی شروع ہوئی اب پہلے کی نسبت آواز صاف تر ہے اور اس میں وہ رنگ عود کر رہا ہے جو انسانی آواز کا خاصہ ہے گو اس ترقی کی رفتار بہت سست ہے۔

۲۱/جون ۱۹۳۶ء کو خواجہ غلام السیدین کو لکھتے ہیں ---

میری عام صحت بہت اچھی ہے۔آواز میں ترقی کی رفتار سست ہے۔

۱۴/جولائی ۱۹۳۶ء کو محمد عباس لمعہ حیدرآبادی کو لکھتے ہیں --

میری صحت عامہ پہلے سے بہتر ہے آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔

۲۷/جولائی ۱۹۳۶ء کو قاضی تلمذ حسین مولف مراۃ المثنوی کو لکھتے ہیں ---

میری صحت عامہ تو بہتر ہے مگر آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔

۲/اگست ۱۹۳۶ء کو محمد عباس لمعہ حیدرآبادی کو لکھتے ہیں ---

میری صحت اب بہتر ہے مگر آواز میں ترقی نہیں ہوئی۔آپ کے مشورہ کا شکریہ۔

۵/اگست ۱۹۳۶ء کو نصر اللہ خان جو روزنامہ زمیندار سے وابستہ تھے لکھتے ہیں --

افسوس کہ میں ابھی علیل ہوں اگر چہ پہلے کی نسبت کسی قدر افاقہ ہے عام صحت کسی قدر بہتر ہوگئی ہے مگر آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی اسمبلی کے آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کی ہمت ہے نہ ارادہ۔والسلام۔

۲۷/نومبر ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

بلغم کچی ہوتی ہے اور اس کے نکل جانے سے آواز میں صفائی اور ترقی پیدا ہوتی ہے۔

۳/فروری ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

کیوں کہ بلغم کا اخراج نہ ہونے سے میری آواز پر نمایاں اثر پڑا ہے یعنی گلا بیٹھ گیا ہے۔ پہلے یہ تھا کہ بلغم کے ہر صبح اخراج ہو جانے سے آواز صاف رہتی تھی لیکن اس دوائی کے استعمال سے اخراج تو کم ہوتا ہے مگر آواز بیٹھ جاتی ہے۔

اقبال کے مختلف خطوط اور اطرافیان اقبال کی گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تقریباً سوا چار سال یعنی (52) مہینے علامہ کی آواز بیٹھ گئی تھی کبھی کبھار کچھ افاقہ ہوتا آواز میں عام آواز کی کیفیت ہوتی لیکن پھر آواز بیٹھ جاتی۔اقبال کے خطوط سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انتقال سے دو تین مہینے قبل وہ آواز سے مایوس ہو چکے تھے۔اب ان کو آنکھوں کی بینائی اور جان لیوا دمہ کے دوروں کا سامنا تھا۔وسیمہ مبارک جو علامہ کی حقیقی بھتیجی اور عطا محمد کی چھوٹی بیٹی تھی جو اقبال کے گھر پلی

بڑی ہوئی ۔اقبال درونِ خانہ میں بیان کرتی ہیں کہ اقبال کی آواز بیٹھ چکی تھی وہ بڑے زور اور گلے پر دباؤ ڈال کر مشکل سے بات کر سکتے تھے اس وقت ان کا چہرہ سرخ اور گردن کی رگیں پھول جاتی تھیں۔

حکایت ۔اقبال کی بھتیجی وسیمہ مبارک اقبال درونِ خانہ میں لکھواتی ہیں ۔اقبال کی بیگم جو والدہ جاوید تھیں اور شدید بیمار بھی تھیں ۔اور خود علامہ اقبال جن کو گلے کی تکلیف لاحق ہو گئی تھی اور آواز بند ہو گئی تھی اپنی بیماریوں کے باعث شادی میں شرکت نہ کر سکے۔شادی کے کچھ عرصے بعد جب وسیمہ مبارک چچا اور چچی کی بیمار پرسی کے لیے لاہور گئی تو ان کی چچی زار و قطار رونے لگیں۔چچا جان کو میرے آنے کی خبر ہوئی تو آپ فوراً اندر تشریف لے آئے اور میرے پاس ہی بیٹھ گئے۔کچھ دیر بعد چچا جان نے میری ساس صاحبہ اور مجھ سے معذرت کی۔ آپ کے گلے میں اس وقت بھی شدید تکلیف تھی اور آپ بڑی مشکل سے بات کر رہے تھے۔ زور لگانے سے گلے کی رگیں پھول جاتیں اور چہرہ سرخ ہو جاتا۔پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے جذبات سے رندھی ہوئی آواز میں فرمایا۔''زندگی میں شاید اس سے زیادہ دکھ مجھے کسی اور بات سے نہیں پہنچا کہ بیماری نے سردار کو اور مجھے اس قدر معذور کر دیا کہ ہم دونوں اپنی پیاری بیٹی کی شادی میں شمولیت سے محروم رہے۔''

ذیل کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال آواز بیٹھ جانے سے مایوس ہو جاتے لیکن ان کو روحانیت پر بھروسہ تھا وہ آواز کے پلٹ آنے کے لیے معجزہ ساز اکسیر کے منتظر تھے۔

۲۲ر جولائی ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔

حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اب ان کی عنایت سے میری صحت بہت اچھی ہو گئی ہے۔صرف آواز کی کسر ہے اس لیے کوئی اکسیر تجویز کیجئے۔ممکن ہے مجھے اس ماہ کے اندر اندر انگلستان جانا پڑے اس واسطے ان کی توجہ خاص کا طالب ہوں۔

۲۳ر جولائی ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

اگر میری آواز اپنی اصلی حالت پر عود کر آئی تو میں اپنی اس بیماری کو خدا کی رحمت تصور کروں گا کیوں کہ اس بیماری نے حکیم صاحب سے وہ ادویہ استعمال کرنے کا موقع پیدا کیا جنھوں نے میری صحت پر ایسا نمایاں اثر کیا ہے۔تمام عمر میں میری صحت ایسی اچھی نہ تھی جیسی اب ہے۔مجھ کو اب صرف آواز کی وجہ سے بے اطمینانی ہے اور بس۔

تبخیر معدہ (Gastritis)

اقبال کے خطوط اور ان کے اعزا اور احباب کے مستند حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اوائل جوانی سے وہ تیز چٹ پٹے مرغن غذا کے ساتھ شلغم اچار کو شوق سے کھاتے تھے۔ انھیں بعض اوقات بدہضمی، سوے ہاضمہ اور تبخیر معدہ کی شکایت ہو جاتی۔ دہی، لسی اور فالودہ کا استعمال زیادہ تھا جو بڑی حد تک تبخیر معدہ کے لیے بہتر تھا۔ سوڈے کا استعمال جو تبخیر معدہ کے لیے مضر تھا اقبال زیادہ کرتے تھے۔ آج کل تمباکو نوشی کو بھی تبخیر معدہ (Gastritis) کی علت بتایا جا رہا ہے جو اقبال کا سب سے پسندیدہ شوق تھا۔

عجب نہیں کہ اقبال کی ہر روز یونانی اور ایلوپیتھک دوائیں معدہ کی دیوار کو متورم کر کے تبخیر پیدا کر دیتی ہوں۔ اقبال کی کئی دواؤں میں کشتہ ملا ہوتا جو کچی دھات یا ان کے مرکبات سے بنا ہوتا۔ جدید تحقیقات میں یہ تمام مرکبات اگر زیادہ مقدار میں ہوں تو مضر ہوتے ہیں۔ تبخیر معدہ کی وجہ سے اقبال کا معدہ کمزور ہو چکا تھا ان کی بھوک مر چکی تھی اور ان کی خوراک بھی کم ہو چکی تھی۔

آخری علالت کے دوران جی متلانے کی کیفیت زیادہ ہوتی جو قلب کے اتساع کی کیفیت بھی ہو سکتی تھی چنانچہ ان تمام کیفیات سے اندیشہ قوی ہوتا ہے کہ وہ قدیم تبخیر معدہ کے مریض تھے۔

فقیر وحید الدین روزگار فقیر میں لکھتے ہیں کہ۔۔۔

"ڈاکٹر صاحب تبخیر معدہ اور بدہضمی کے پرانے مریض تھے۔ سوڈے کی بوتلیں ان کے یہاں ہمیشہ رہتیں۔ یہاں تک کہ سیالکوٹ تشریف لے جاتے تو وہاں بھی سوڈے کی بوتلوں کا اہتمام ہوتا۔"

۲۲ر مارچ ۱۹۳۵ء کو محمد عباس علی خاں لمعہ کو لکھتے ہیں۔۔۔

یہاں اب گرمی شروع ہو چکی ہے ایسے موسم میں علی العموم میرا معدہ اور بھی خراب ہو جاتا ہے۔ آپ کا خیال بہت درست ہے اور میرا بھی یہی تجربہ ہے دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا مجھ کو تقلیل غذا مفید ہوتی ہے۔

۲۷ر جون ۱۹۳۶ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں۔۔۔

دودھ، بالائی، دہی اور ترشی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے۔ میں ترشی کے استعمال کا عادی تھا چوں کہ دو سال سے ترشی کا استعمال نہیں کر سکتا اس لیے میرا کھانا بالکل بے لطف ہو گیا ہے۔ بھوک بھی کم لگتی ہے۔

۲۱ر جولائی ۱۹۳۶ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں۔۔۔

ترشی میں ابھی تک نہیں کھا سکتا ہوں۔ ہاں دہی اگر میٹھا ہو تو کسی قدر کھا لیتا ہوں۔

ریح کا عارضہ (Gas Trouble)

علامہ اقبال کا گوارشی نظام (Gastro Intestinal System) جوانی سے درہم برہم تھا۔معدہ کی تبخیر (Gastritis) ہمیشہ ہوتی اور سوڈے کا استعمال کرتے، قولنج یا (Colitis) کے دورے بھی شدید ہوئے۔ ہمیشہ قبض کی شکایت کبھی کم اور کبھی زیادہ رہی۔آخری علالت کے دوران بھوک بھی نہیں لگتی تھی۔اس کے علاوہ ریح کی تولید اور درد کا تذکرہ کئی خطوط میں نظر آتا ہے جو اس شکایت پر مزید روشنی ڈالتے ہیں۔

۲رجنوری ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

ریح کا اخراج پہلے کی نسبت کم ہوتا ہے ممکن ہے اخراج ریح نہ ہونے کی وجہ سے یہ درد ہو۔

۵رجنوری ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔۔

شانوں کے درمیان رات کو درد ہوتی ہے جس سے نیند میں خلل واقع ہوتا ہے اگر ریح کا اخراج ہوتا رہے تو درد سے افاقہ رہتا ہے۔

۲۰رمئی ۱۹۳۷ء کو شیخ اعجاز احمد کو لکھتے ہیں۔۔۔

اپریل ۳۷ء کے ابتدا میں جب حکیم صاحب سے ملا تھا تو انھوں نے فرمایا تھا کہ تمہارا جگر ریح پیدا کرتا ہے اب اس کا علاج ضروری ہے اس کے لیے انھوں نے ایک معجون عطا فرمائی تھی..... چند خوراک باقی ہے اگر اسی کو جاری رکھنا ہو تو اس کے مقدار بھی کافی ارسال کریں مگر پیشتر اس کے لیے حکیم صاحب قبلہ اسی معجون کے استعمال کا حکم دیں یا اس میں کوئی ترمیم کریں مندرجہ ذیل امور ان کے گوش گزار کرنا لازم ہے۔

(۱) جگر بدستور ریح پیدا کر رہا ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی غالباً یہ معجون موثر نہیں ہوئی .....

(۲) ریح کا پیدا ہونا .....

(۳) ریح جو پیدا ہوتی ہے جب تک نہ نکلے کمر میں درد ہوتا ہے اور دونوں طرف کے گردوں پر بوجھ سا محسوس ہوتا ہے۔نکل جائے تو درد میں تخفیف ہوتی ہے۔

قبض (Constipation)

علامہ اقبال کو گوارشی عارضے تھے۔سوئے ہاضمہ کی کیفیت قدیم تھی چنانچہ ہمیشہ سوڈے کا استعمال کرتے۔ جوانی میں پیچش کی تکلیف بھی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کو قبض کی

کیفیت ہمیشہ رہتی تھی جو آخری عمر میں زیادہ تکلیف دہ ہو گئی تھی۔۱۹۳۴ء سے اقبال کی آخری علالت شروع ہوتی ہے اور پھر شاید ہی کوئی ہفتہ ایسا نہ ہو کہ اقبال نے کوئی دوا استعمال نہ کی ہو۔ کئی اکسیروں، معجونوں، گولیوں، جوشاندوں کے علاوہ کشتوں کا استعمال جن کو سونا، چاندی اور یاقوت وغیرہ سے بنایا جاتا ہے دوا کے طور پر مسلسل دیئے گئے چنانچہ بعض ثقیل دواؤں کا اثر شدید اور فوری ہوا جس کا اقبال نے اپنے خطوں میں ذکر کیا ہے۔ اقبال کی خوارک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سبزیجات کی نسبت گوشت زیادہ کھاتے تھے۔ دودھ، دہی، لسی، اور دوسری قبض آور غذاؤں کے شوقین تھے۔ اقبال کی بھتیجی وسیمہ مبارک کے قول کے مطابق پانی کم پیتے تھے چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ اقبال کو قبض کی شکایت اور بعد میں تکلیف رہی۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر بے محل نہیں کہ یونانی دوائیں قبض کو دور کرنے میں مجرب ثابت ہوئی ہیں اور آج کے اس ترقی یافتہ ایلوپیتھک دور میں بھی ایک بڑی تعداد میں لوگ یونانی دوا Herbal Medication کا استعمال کرتے ہیں۔ اقبال کے مندرجہ ذیل خطوط سے ہمارے بیان کی بڑی حد تک تائید ہو سکتی ہے۔

۱۱ر اگست ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

پہلے کسی قدر قبض تھی مگر پاخانہ کی حالت بہت اچھی تھی اب مجھے صبح پاخانہ تو کھل کر آتا ہے مگر بہت نرم تر قریباً دست شاید جو دوا رات کو کھائی جاتی ہے وہ دست آور ہے۔ دن کے وقت انجیر بھی ہر روز ملتان سے منگوا کر کھاتا ہوں۔ وہ بھی قبض کشا ہوتی ہے۔

۲۹ر ستمبر ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

دوا کا استعمال شروع ہے میں صبح کو بیٹر اور شام کو تیتر کھاتا ہوں۔ سبزی کا استعمال بہت کم کر دیا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پاخانہ سدہ بن کر گھٹلیوں کی طرح آتا ہے اس واسطے میں نے دریافت کیا تھا کہ آیا حکیم صاحب نے دوا میں قبض کا خیال رکھ لیا ہے یا نہیں۔

۲۷ر جون ۱۹۳۶ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں ---

قبض کی بھی شکایت رہتی ہے۔

۲۷ر ستمبر ۱۹۳۶ء کو مولوی عبدالحق کو لکھتے ہیں ---

پہلے سے اچھا ہوں مگر افسوس کہ ابھی سفر کے لائق نہیں۔ خصوصاً جب کہ سفر ۱۲ گھنٹے سے زیادہ ہو۔ رات بھر ریل میں سفر کرنے سے مجھے قبض ہو جاتی ہے جو سخت تکلیف دیتی ہے اور یہ سلسلہ کئی کئی دن رہتا ہے۔

۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

جو دوا حکیم صاحب میرے لیے تیار فرمائیں اس میں اس امر کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ دوئم۔ عام کمزوری سوئم۔ عام قبض کی شکایت، چہارم۔ خون میں سوداوی جراثیم۔ یہ سب باتیں حکیم صاحب کو معلوم ہیں۔ میں نے صرف یاد دہانی کے لیے عرض کیا ہے۔

۳۱ر جون ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں۔۔۔

قبض کی شکایت بھی عموماً رہتی ہے۔

۲۹ر مارچ ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں۔۔۔

اس شکایت کے علاوہ دوسری شکایت یہ ہے کہ اجابت باقاعدہ اور کھل کر نہیں ہوتی۔

دردِ قولنج

قولنج عربی لفظ ہے جس کا مصدر قولن (colon) ہے۔ غالباً انگریزی میں یہ لفظ عربی سے لیا گیا ہے۔ دردِ قولنج سے مراد پیٹ کا درد، بڑی آنت کا درد، وہ درد جو پسلی کے نیچے ہوتا ہے اور بعض اوقات پر کیسہ صفرا (Gall Bladder) کے درد کو بھی قولنج کا درد کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ علامہ اقبال نے چار بڑی بیماریوں اور تکلیفوں کا ذکر کیا ہے جس میں دردِ قولنج کا بھی ذکر ہے۔

اقبال کے حضور میں سید نذیر نیازی لکھتے ہیں۔ ۱۱ر مارچ ۱۹۳۸ء بروز جمعہ کو جب میں نے خیریت مزاج دریافت کی اور ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گیا۔ حضرت علامہ نے حسب معمول فرمایا۔ ''الحمد للہ۔ پھر اپنی صحت اور علالت کا ذکر کچھ اس طرح کرنے لگے کہ اس میں یاس وحزن کا رنگ غالب تھا۔ ارشاد ہوا: مجھ پر چار حملے ہو چکے ہیں ایک قولنج کا دورہ، جو آج سے بہت پہلے بڑی شدت کے ساتھ ہوا تھا۔ پھر ۱۹۲۸ء میں دردگردہ نے خاصا پریشان کیا۔ ۱۹۳۴ء میں گلا بیٹھ گیا اور اب چند دنوں سے جو حالت ہے اچھی نہیں ہے۔''

ہمیں دردِ قولنج یا Colitis کے بارے میں صرف ایک خط ملا جو مہاراجہ کشن پرشاد کو ۷ر ستمبر ۱۹۱۷ء کو لکھا گیا لیکن دو تین خطوط انہی تاریخوں میں ایسے ہیں جن میں اس بیماری اور اس کے علاج کے بارے میں اشارے ملتے ہیں۔ لاہور سے ۲۷ ستمبر ۱۹۱۷ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں۔۔۔

''بندۂ درگاہ اقبال ۳۰ر اگست کی شام کو یہاں سے روانہ حیدرآباد ہونے والا تھا کہ ۲۹ر کی شام کو بخار نے آدبایا اور اس کے ایک دو روز بعد پیچش کا اضافہ ہوا۔ ہفتہ بھر سخت تکلیف کا سامنا رہا..... ڈاکٹر صاحب ایک ہفتہ تک اجازت نہیں دیتے اور میں نے بھی صحت کے خیال

سے یہ بہتر سمجھا کہ سفر حیدرآباد ملتوی کر دوں۔''

۲/ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو مولانا گرامی کو لکھتے ہیں ---

''میں حیدرآباد جانے کو تھا مگر بخار کی وجہ سے رک گیا۔''

۲/ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں ---

''حیدرآباد کے سفر کے لیے تیار تھا، مگر علالت کی وجہ سے رک گیا جیسا کہ ایک عریضہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔''

شاید اسی درد قولنج کے علاج کے لیے مولانا گرامی نے دوا روانہ کی تھی کیوں کہ ۱۳/ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے خط میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

لاہور ۱۳/ اکتوبر ۱۹۱۳ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم ---

''کل ایک خط لکھ چکا ہوں امید کہ پہنچ کر ملاحظہ عالی سے گزرا ہوگا۔ یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ آپ نے جو گولیاں مجھ کو دی تھیں ان کے استعمال کا کیا طریقہ ہے؟ کیا ایک روز کھائی جائے یا دو صبح و شام۔ اور نیز یہ کہ کس چیز کے ساتھ کھائی جائے اور پرہیز کس چیز سے ہو اس سے آگاہ کیجیے۔''

اس بات کا امکان ہے کہ علامہ کو Dysentry یا پیچش ہو گئی ہو جو پہلے خفیف اور بعد میں شدید صورت اختیار کر لی ہو جس کا اقبال نے مجرب علاج کروایا جیسا کہ اوپر کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے اور اسی لیے یہ تکلیف برطرف ہو گئی ورنہ اقبال اس کا ذکر ضرور کرتے۔

❁❁❁

دانتوں کی بیماری (Dental Caries)

علامہ کے دس سے زیادہ خطوں میں دانتوں اور مسوڑوں کی تکلیف کا ذکر ہے۔ اقبال کی عمر کے آخری پندرہ سال میں یہ خطوط لکھے گئے جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اقبال کو مسوڑوں کی بیماری (Gingivitis) کے علاوہ دانتوں کی بیماری (Dental Caries) بھی تھا۔ چونکہ ۱۹۲۲ء میں مسوڑا پھول جانے کی وجہ سے آپریشن کروایا گیا تھا اس سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اقبال کے مسوڑوں کی بیماری جوانی سے تھی۔

مستند حوالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال مسواک کا استعمال کرتے تھے۔ وہ منجن استعمال کرتے انھوں نے انگریزی برش یا Tooth paste کا استعمال نہیں کیا۔ چونکہ اقبال اسلامی طب اور اسلامی دواؤں کو پسند کرتے تھے شاید اسی لیے انھوں نے مسواک اور منجن کو ترجیح دی۔ Gingivitis یا مسوڑوں کے پھول جانے میں دانت اور مسوڑے کے درمیان جراثیم اور بعض اوقات غذا، دوا یا منجن کے ذرات پھنس جاتے ہیں۔ اور انفکشن کی وجہ سے مسوڑہ پھول کر تکلیف دہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کے حملے دانتوں کی جڑوں کو کمزور کر دیتے ہیں اور جراثیم کے مسلسل ترشحات سے دانت میں سوراخ بھی ہو جاتے ہیں جو دانتوں کے ٹوٹنے کا باعث ہوتے ہیں۔

ذیل کے خطوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے کچھ پیچھے کے چبانے کے دانت نکلوا دیے تھے کیوں کہ اُس زمانے میں Dental Caries کا علاج صرف خراب دانتوں کا نکلوانا تھا۔ ہمیں کوئی ایسی تحریر نظر نہیں آتی جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ علامہ نے خراب دانتوں کو نکال کر مصنوعی دانتوں کا چوکا (Denture) لگایا ہو۔ البتہ مرنے سے ۲ سال پہلے تک موتی منجن کے استعمال، ڈنٹل سرجن سے علاج اور مسواک وغیرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انتقال کے وقت علامہ کے اصلی دانت موجود تھے۔

۲۵ر مئی ۱۹۲۳ء کو خان محمد نیاز الدین خان کو لکھتے ہیں ---

میرا مسوڑا پھول گیا تھا آپریشن کرایا گیا جس سے تکلیف میں اضافہ ہوا اب کچھ آرام ہے۔

۱۳ر جولائی ۱۹۲۴ء کو شیخ عطا محمد کو لکھتے ہیں ---

مسوڑے کے پھول جانے سے اب کے بہت تکلیف ہوئی آخر چیرا ہی دلانا پڑا۔ پرسوں سے بالکل آرام ہے۔

۱۳ر جولائی ۱۹۲۴ء کو خان محمد نیاز الدین کو لکھتے ہیں ---

میں کئی روز تک بیمار رہا۔ مسوڑا پھول گیا تھا جس کو کل چروا دیا گیا۔ اب خدا کے فضل سے آرام ہے۔ مگر گزشتہ ہفتہ سخت تکلیف رہی۔

۲۵ر مئی ۱۹۳۱ء کو مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کو لکھتے ہیں ---

شام کو میں درد دندان میں مبتلا ہو گیا۔ اس واسطے مجبوراً آج پاک پٹن کا سفر کرنے سے قاصر ہوں کہ دانت کو نکلوا دینے کا ارادہ ہے۔

۷ر جون ۱۹۳۱ء کو مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کو لکھتے ہیں ---

چار روز کی سخت تکلیف کے بعد دونوں دانت جوڑ کھتے تھے ان کو اکھڑوا دیا گیا ۔

۳۱ر اگست ۱۹۳۲ء راغب احسن کو لکھتے ہیں ۔۔۔

میں دو چار روز سے علیل ہوں اور مضمحل ۔ وجہ شاید درد دنداں فلاح دنداں، اخراج دنداں، مگر اخراج سے گھبراتا ہوں اگر چہ اس کا تجربہ بھی پہلے کر چکا ہوں ۔

۱۹ر جنوری ۱۹۳۵ء ۔ پروفیسر میاں محمد شریف کو لکھتے ہیں ۔۔

مسوڑے پھول جانے کی وجہ سے سخت تکلیف رہی ۔ دو آپریشن کیے بعد دیگری ہو چکے ہیں ۔ گزشتہ رات جو آپریشن ہوا اس سے کسی قدر افاقہ ہوا ۔ مگر اب تک صاحب فراش ہوں ۔ چنانچہ یہ خط بھی لیٹے ہوئے لکھ رہا ہوں ۔

۲۳ر جون ۱۹۳۶ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں ۔۔۔۔

موتی منجن اور اکسیر آہل کی دو شیشیاں جن میں دو دو اونس دوا ہو مہربانی کر کے وی پی بھجوا دیجئے ۔

۱۴ر جولائی ۱۹۳۶ء کو محمد عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کو لکھتے ہیں ۔۔۔

ڈینٹل سرجن صاحب جن کا آپ نے خط میں ذکر کیا ہے میں ان سے واقف نہیں ہوں ۔

۲۱ر جولائی ۱۹۳۶ء کو پروفیسر الیاس برنی کو لکھتے ہیں ۔۔۔

موتی منجن اور تیل کے لیے میں نے آپ کی خدمت میں لکھا تھا کہ دوکاندار سے کہہ کر وی ۔ پی بھجوا دیجئے وہ پارسل اب تک نہیں ملا ۔

کم خوابی (Insomnia)

یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ علامہ سحر خیز تھے ۔ اقبال نے اپنے کلام میں نالہ ھای نیم شبی کے ساتھ ساتھ افکار سحر خیزی کا ذکر کیا ہے ۔ جس کا کوئی تعلق کم خوابی Insomnia سے نہیں جس کا ذکر آگے ہو گا ۔ یوں تو علامہ راتوں میں اپنی مصروفیات اور عبادات کی وجہ کم سوتے تھے جس کا ذکر عام طور سے اپنے مسلمان دوستوں سے نہیں کرتے تھے لیکن اپنے خاص دوست مہاراجہ کشن پرشاد کو ۱۱ر جون ۱۹۱۸ء کے خط میں لکھتے ہیں ۔۔۔

''سرکار کی صاحبزادی کی علالت کی خبر سن کر متردد ہوا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ صحت عاجل کرامت فرماوے ۔ انشاء اللہ کل صبح کی نماز کے بعد دعا کروں گا ۔ کل رمضان کا چاند یہاں دکھائی دیا ۔ آج رمضان المبارک کی پہلی ہے ۔ بندۂ روسیاہ کبھی کبھی تہجد کے لیے اٹھتا ہے اور

بعض دفعہ تمام رات بیداری میں گزر جاتی ہے سو خدا کے فضل وکرم سے تہجد سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دعا کروں گا کہ اُس وقت عبادت الٰہی میں بہت لذت حاصل ہوتی ہے کیا عجب ہے کہ دعا قبول ہو جائے۔''

۳۱/اکتوبر ۱۹۱۶ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں ---

''صبح چار بجے کبھی تین بجے اٹھتا ہوں۔ پھر اس کے بعد نہیں سوتا۔ سوائے اس کے کہ مصلیٰ پر کبھی اونگھ جاؤں۔''

اقبال نہ صرف سحر خیز تھے بلکہ ان کو دیر سے سونے کی عادت تھی۔ علامہ کی بھتیجی وسیمہ مبارک جو اقبال کے گھر میں پلی بڑی ہوئی، کہتی ہیں:

''انھیں رات کو دیر سے سونے کی عادت تھی۔ دس گیارہ بجے تک محفل جمی رہتی۔ محفل برخاست ہونے کے بعد کچھ دیر مطالعہ فرماتے یا حقہ منہ میں دبائے خاموش گہری سوچوں میں گم رہتے۔ اکثر نمازِ عشا ادا کر کے سوتے مگر پھر علی الصبح بیدار ہو جاتے۔ کبھی تہجد اور کبھی نماز ادا کرتے اور پھر حسبِ معمول بڑی خوش الحانی سے تلاوتِ کلام پاک فرماتے۔ ان کی سحر خیزی کا یہ عالم تھا کہ علی بخش کو فجر کی نماز کیلئے وضو کے پانی اور جائے نماز کا اہتمام رات کو سونے سے پہلے ہی کرنا پڑتا کیونکہ فجر کی نماز اول وقت میں ادا کرنا ان کا معمول تھا۔

آپ کو سونے میں خراٹے لینے کی عادت تھی۔ خراٹے بھی کوئی عام قسم کے نہیں بلکہ بہت بلند اور گرج دار۔ بعض اوقات ایسی بھیانک قسم کی آوازیں ہوتیں کہ گھر کے دوسرے افراد ڈر جاتے۔ انھیں سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر بستر کے ایک طرف لیٹنے کی عادت تھی۔ اس حالت میں ان کا ایک پاؤں اکثر ہلتا رہتا جس سے اندازہ ہوتا کہ ان کی نیند ابھی گہری نہیں ہوئی، لیکن جوں ہی نیند گہری ہوتی خراٹوں کا دور شروع ہو جاتا۔ میری والدہ مکرمہ بتاتی ہیں کہ'' رات کو سارے گھر میں چچا جان کے خراٹے گونجا کرتے اور سب اپنے اپنے بستروں میں دب کے ان کے بلند و بالا خراٹے سنا کرتے۔ بعض اوقات تو ایسی عجیب اور ڈراؤنی آوازیں ہوتیں کہ رات کی خاموشی میں کلیجا منہ کو آنے لگتا۔''

اقبال کی رات کی نیند بیماریوں کی وجہ سے کم ہو گئی تھی۔ بدن کے درد، دمہ کے دوروں اور پیٹھ کے درد سے کئی بار نیند سے جاگتے اور پھر مشکل سے سو پاتے۔

۲/جنوری ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

زیادہ تر رات کو نیند بھی مجھ کو پہلے کی بہ نسبت کم آتی ہے اور بھوک بھی کم لگتی ہے۔

۳؍فروری ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

اس کے علاوہ حکیم صاحب کی خدمت میں یہ بھی عرض کریں کہ میری بھوک کم ہوگئی ہے اور نیند بھی پہلے کی طرح مسلسل نہیں آتی۔ رات کو میں چھ سات گھنٹے تو سو لیتا ہوں مگر یہ نیند مسلسل نہیں آتی۔

۱۶؍فروری ۱۹۳۸ء کو مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

کم خوابی کی بھی شکایت ہے۔ مسلسل نیند صرف رات کے آخری گھنٹوں میں آتی ہے۔ پہلے گھنٹوں میں وقتاً فوقتاً اس میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔

۲۹؍مارچ ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

تیسری شکایت یہ ہے کہ رات کو نیند شب کے پہلے حصے میں بہت کم آتی ہے۔ آخری حصہ میں البتہ کچھ نیند آتی ہے۔

خطوں اور مستند حوالوں سے یہ خبر ملتی ہے کہ علامہ کی نیند بہت کم ہو چکی تھی۔ سید نذیر نیازی اقبال کے انتقال سے ایک مہینہ قبل کی یادداشت میں لکھتے ہیں۔ علامہ کی طبیعت اگرچہ بظاہر سنبھل گئی تھی لیکن چہرہ بدستور مضمحل تھا۔ ضیق اور درد کی شکایت میں گو خاصی کمی تھی لیکن نیند نہیں آتی تھی۔ حکیم محمد افضل نے نیند کے لیے ''روغن گل کی مالش'' کو مفید بتایا اس سے پہلے حکیم قرشی کا نسخۂ روغن کامیاب نہیں ہوا۔ چنانچہ ڈاکٹر جمعیت سنگھ نے نیند کے لیے ایلو پیتھک دوا تجویز کی لیکن نیند آور دوا کا اثر اقبال پر سخت ہوا چنانچہ اقبال پر غشی کی سی حالت طاری ہوگئی اور وہ بے خبری میں پلنگ سے فرش پر گر گئے۔ اقبال نے پھر نیند کی گولیاں نہ کھائی بلکہ ان کو دوسری ایلو پیتھک دواؤں سے بھی نفرت ہوگئی۔

❀❀❀

میڈیکل معائنہ، ٹسٹ اور طبّی آلات

علامہ اقبال اُن چند خوش نصیب افراد میں شامل ہیں جنھیں برصغیر کے ماحول میں اُس زمانے میں وہ تمام سہولتیں فراہم کی گئیں جو ترقی یافتہ مغربی دنیا میں موجود تھیں۔

خطوط اور مستند حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ

I۔ کئی بار اقبال کا طبّی کامل معائنہ کیا گیا اور بعض اوقات کئی تجربہ کار ڈاکٹروں نے تقریباً پورا دن اس پر صرف کیا اور آخر میں میڈیکل رپورٹ میں بتایا کہ بلڈ پریشر نارمل، قلب اور

پھیپھڑے ٹھیک ہیں۔

۵/جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''میری عام صحت بالکل اچھی ہے۔ دل اور پھیپھڑے دونوں اب تک بالکل تندرست ہیں ان کا بارہا معائنہ کیا گیا ہے''۔

۶/اگست ۱۹۳۴ء کو سید نیازی کو لکھتے ہیں ---

''پھیپھڑوں اور دل کا دوبارہ معائنہ کرا لیا ہے۔ سب کچھ درست ہے''۔

علامہ ۱۰/ستمبر ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''میں دو دفعہ پھیپھڑوں کا معائنہ کروایا تو معلوم ہوا کہ پھیپھڑے بالکل صاف ہیں''۔

۱۲/ستمبر ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''کل دوبارہ معائنہ کروایا تھا۔ خون کا دباؤ نارمل ہے اور پھیپھڑوں کی حالت بالکل درست ہے''۔

II۔ ڈاکٹروں کو یہ شک تھا کہ علامہ کے خون میں جراثیم ہیں چنانچہ اُس زمانے میں دوبار خون کا کلچر کروایا گیا ہوگا یا سلائیڈ پر خون ملکر جراثیم کو تلاش کیا گیا ہوگا۔ یعنی اقبال کے خون سے

1۔ بلڈ اسمیر اور جراثیم نگاری

Blood Smear Stain for Bacteria

2۔ بلڈ کلچر Blood Culture

۳/جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''دو دفعہ ڈاکٹروں نے خون کا معائنہ کیا ہے۔ پہلی دفعہ خون باسلیق سے لیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ خون میں زہریلے جراثیم ہیں اور دوسری دفعہ پھر انگلی سے خون لیا گیا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ خون بالکل نارمل ہے''۔

۱۲/اکتوبر ۱۹۳۷ء میں ڈاکٹر مظفر الدین کو لکھتے ہیں ---

''جو دوا حکیم صاحب میرے لیے تیار فرمائیں اس میں اس امر کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

دوئم۔ عام کمزوری، سوئم۔ عام قبض کی شکایت، چہارم۔ خون میں سوداوی جراثیم۔

یہ سب باتیں حکیم صاحب قبلہ کو معلوم ہیں۔ میں نے صرف یاددہانی کے لیے عرض کیا ہے''۔

۲۲/جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں ---

''خون کے زہریلے مادّوں کا ذکر میں نے حکیم صاحب کی خدمت میں کیا تھا اور ان سے استدعا کی تھی کہ وہ دوا تجویز کرنے میں اس امر کا خاص خیال رکھیں مہربانی کر کے ان سے دریافت کر کے مجھے مطلع کریں اس کے لیے خاص طور پر کونسی دوا ان چار دواؤں میں سے ہے''۔

نوٹ ۔ہمیں خون میں جراثیم کی موجودگی پر شبہ ہے شاید صرف انتقال سے کچھ دن قبل جب اقبال کو نمونیہ تھا اُس وقت خون میں مہلک جراثیم یا (Septicemia) ہو کیونکہ بلغم میں خون آرہا تھا اور اقبال کا بلڈ پریشر اور نبض گر رہی تھی۔ ہمارے تجربے میں Contamination یا لیبارٹری میں موجود سطحی جراثیم کی وجہ غلطی سے خون میں جراثیم کی موجودگی تشخیص ہوئی ہوگی کیونکہ اُس زمانے میں علامہ کو سوائے آواز کی کمزوری اور کوئی شدید بیماری نہ تھی۔

III۔ ایکس ریز X-Rays

بیسوی صدی کے پہلے ربع میں لاسلکی یا X-Rays کا استعمال شروع ہو چکا تھا۔ برصغیر کے صرف کچھ ہسپتالوں میں یہ سہولت موجود تھی۔ اقبال کے گردے کی پتھری کی تشخیص بھی بہت ممکن ہے انہی ایکس ریز مشینوں سے کی گئی۔

۱۵ر جون ۱۹۲۸ء کو خان محمد نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں ---

مجھے درد گردہ کی شکایت رہی جس کا سلسلہ ایک ماہ سے اوپر جاری رہا۔ جدید طبی آلات کے ذریعہ گردہ کا معائنہ کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ گردہ میں پتھر ہے اور کہ عمل جراحی کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ مگر تمام اعزا اور دوست عمل جراحی کرانے کے خلاف ہیں۔ دردی الحال رُک گیا ہے اور میں حکیم نابینا صاحب سے علاج کرانے کی خاطر آج شام دہلی جا رہا ہوں۔ وہاں چند روز قیام رہے گا۔ اس طویل علالت نے مجھے کمزور کر دیا ہے البتہ درد کا افاقہ ہے۔

ہمیں یہ معلوم ہے کہ اقبال کو جوانی سے درد گردے کے دورے پڑتے تھے اور یہ بیماری ان کو اپنی ماں سے ورثے میں ملی تھی۔ سب سے پہلا خط جس میں دورہ درد کا ذکر ہے ۱۹۰۲ء کا ہے۔ مفتی سراج الدین کو لکھتے ہیں ---

''دو تین روز سے طبیعت بہ سبب دورہ درد کے علیل ہے۔''

نیاز الدین خان صاحب کو لکھے گئے خط سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ پتھری کافی بڑی تھی۔ بہر حال پتھری اگر ایک سنٹی میٹر کی جسامت کی بھی ہو تو اس کا اخراج ممکن نہیں کیوں کہ ڈاکٹروں نے اس کا علاج صرف سرجری یا عمل جراحی بتایا تھا جس کی اقبال اور ان کے اعزا و احباب نے مخالفت کی بہر حال حکیم عبدالوہاب انصاری کے علاج سے درد کم ہوا۔

گردے کا درد حکیم نابینا کے علاج کے بعد اقبال کو آٹھ سال تک نہیں ہوا یا اگر بعد میں محسوس بھی ہوا تو خفیف سا لیکن اقبال نے ہمیشہ پہلو میں خفیف درد جو کمر کی طرف کھنچتا محسوس کیا ہے علامہ خطوط میں لکھتے ہیں کہ گردے کے مقام پر بوجھ سا محسوس رہتا ہے آخری علالت کے دوران کچھ حملوں میں شدت مگر جزوی رہی۔ اقبال نے مرنے سے کچھ مہینے پہلے وہ پتھر کا ریزہ جو پیشاب میں خارج ہوا تھا ڈاکٹر مظفر قریشی کی وساطت سے حکیم نابینا جو اُن دنوں افسر الحکما نظام دکن بن کر حیدرآباد میں مقیم تھے، ملاحظہ کے لیے بھیجا تھا۔

گردے کے درد کا کم ہونا حکیم نابینا کا بڑا معجزہ تصور کیا گیا اور خود اقبال نے آخری علالت کے دوران جب اُن کی آواز بیٹھ گئی تو اپنے خط میں حکیم نابینا کے معجزہ علاج کا ذکر کرتے ہوئے اکسیر طلب کی تھی مجلّوں، اخباروں اور شخصی خطوط میں لوگوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ اقبال کے گردے کا پتھر اتنا بڑا تھا کہ اگر اس کا فوری علاج نہ کروایا جاتا تو پتھری اقبال کے گردے کو پھاڑ کر باہر نکل آتی مگر حکیم نابینا کی دوا نے اس پتھر کو ریزہ ریزہ کر کے پیشاب کے راستے سے خارج کرا دیا۔ جدید طبّی تحقیقات سے یہ امکان آج موجود ہے کہ اشعاع لیزر (Laser Rays) اور مقناطیسی لہروں (Magnetic Waves) سے گردے کے پتھر کو مسلسل نشانہ بنا کر توڑ دیتے ہیں اور پھر پیشاب کی نالی Ureter اور Urethra میں ایک عارضی نالی Stent جوڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو خارج کر دیتے ہیں لیکن صرف معجون یا خورا کی دوا سے بڑے پتھر کا ریزہ ریزہ کرنا ہمیں طبّی نقطۂ نظر سے مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ اقبال نے اپنے خط میں گردے کے درد سے افاقہ کا ذکر کئی جگہ کیا ہے حکیم نابینا کے علاج کے دس سال بعد صرف ایک چھوٹے ریزہ کو جو پیشاب میں خارج ہوا تھا پڑیا میں بند کر کے حکیم صاحب کے ملاحظہ کے لیے روانہ کیا۔

اگر ۱۹۲۸ء کے حکیم نابینا کی دوا سے بڑا پتھر ریزہ ریزہ ہو کر پیشاب میں نکلتا تو اقبال ضرور اس کا ذکر کرتے۔ راقم نے (251) خطوں جس میں اقبال بیماری کی کیفیت اور اس کی تفصیل لکھتے ہیں لفظ بہ لفظ پڑھے ہیں۔ میری دانست میں گردے کے پتھر کے درد کا افاقہ حکیم نابینا کے علاج کا معجزہ نہیں بلکہ حُسن مبالغہ ہے اور بقول حافظ

ع۔ چوں ندید ند حقیقت در افسانہ زدند

سوال یہ ہے کہ درد گردہ کیسے کم ہوا؟ ہمیشہ خفیف سا درد گردے کے مقام پر کیوں تھا؟ آخری علالت کے ایک دو سال میں معمولی حملے کیوں ہوئے؟ ان سب سوالوں کا جواب پوری طرح سے اس لیے نہیں دیا جا سکتا کہ (۱) اب نہ ہمارے پاس اقبال کی ان زمانے کی ایکس

ریز تصاویر ہیں جو ۱۹۲۸ء میں لاہور میں لی گئیں اور نہ وہ تصویریں ہیں جو لاہور اور بھوپال میں ڈاکٹر ڈاک ریڈیالوجسٹ لاہور یا ڈاکٹر عبدالباسط انصاری ریڈیالوجسٹ حمیدیہ ہسپتال بھوپال نے لی تھیں اور انھیں بذریعہ رجسٹری آسٹریا ویانا ڈاکٹر مظفر علی ENT اسپیشلسٹ (ماہر گوش وحلق و بینی) کے پاس روانہ کی تھی کہ وہاں کے ریڈیالوجسٹ سے اس بابت سوال کیا جائے جس کی تفصیل آئندہ ٹومر کی تشخیص کے تحت آئے گی۔

ہمیں اگر ستر (70) یا (80) برس قدیم ایکسرے کی فلمیں دستیاب ہو جاتی تو اتنی مدت گزرنے پر کارآمد نہ رہتی۔

میرے میڈیکل سکول کے ساتھی اور عمدہ دوست ڈاکٹر اظہر عباس۔ یم۔ڈی جو آمریکن ریڈیالوجسٹ بورڈ کے تصدیق شدہ پختہ کار عمدہ ریڈیالوجسٹ ہیں اور آج کل سینٹ انتھونی میڈیکل سنٹر کے شعبہ ریڈیالوجی کے صدر بھی ہیں اپنے اکسپرٹ اوپی نین ماہرانہ مشورہ میں کہتے ہیں کہ X-Rays یکس ریز فلمیں تیس، چالیس سال بعد تقریباً بے کار ہو جاتی ہیں کیوں کہ اس میں استعمال شدہ سلور اور دوسرے مرکبات فلم پر گہرے دھبے، خراشیں اور دھندلا پن بکھیر دیتی ہیں چنانچہ علامہ اقبال کے ایکس ریز جواب موجود نہیں اگر آرکیوز میں محفوظ بھی ہوتے تو چنداں فائدہ بخش نہ ہوتے۔

(۲) علامہ کے کسی عضو کا حصہ ہمارے ہسپتال یا لیبارٹری میں محفوظ نہیں۔ علامہ نے زندگی بھر سرجری نہیں کروائی اس لیے کوئی عضو یا اس کا حصہ (Tissue) پیتھالوجی لیبارٹری میں موم کے اندر بلاک (Block) کی شکل میں بھی نہیں تا کہ اُس سے اسٹڈی کی جا سکے۔

(۳) علامہ نے جو پتھر کا ریزہ (Kidney Calculus) پڑیا میں بند کر کے حکیم نابینا کے ملاحظہ کے لیے بھیجا تھا اس کا پتہ نہیں۔ اگر پتھر کا ریزہ موجود ہوتا تو ہم کیمیل تجزیہ Chemical Analysis کر کے یہ بتا سکتے کہ کیا اس کے مرکبات میں Uric Acid کی کثرت ہے کیوں کہ اقبال کی گوٹ (Gout) یا نقرس تھا جو یورک ایسڈ کے خون میں زیادہ رہنے سے جوڑوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور گوٹ Gout کے تقریباً دس فیصد مریض گردے میں Urate سے بنی ہوئی پتھری کے عارضہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔

(۴) اقبال کی مستند خون اور پیشاب کی رپورٹ کا پتہ نہیں ہم نے صرف اقبال کے ہاتھ سے لکھے گئے ان خطوط سے یہ مطالب اخذ کئے ہیں اور اس پر بحث کی ہے۔

(۵) اقبال کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا کیوں کہ اس کی ضرورت پیش نہ آئی ویسے بھی اُس زمانے

میں مسلمانوں میں یہ رواج نہ ہونے کے برابر تھا۔

جدید طبی تحقیات نے بات ثابت کردی ہے کہ جب پتھر گردے کے اخراجی نظام یعنی Pelvis اور Ureter میں داخل ہوتا ہے تو مریض کو اس کا بوجھ اور اثر محسوس ہوتا ہے چنانچہ اگر پتھری 4-5 ملی میٹر یعنی چاول کے دانے کی جسامت کے برابر ہو تو Pelvis سے گزر کر Ureter میں پہنچتی ہے اور پھر Ureter کی حرکت سے مثانہ سے ہو کر خارج ہوتی ہے۔ عموماً جب چھوٹی پتھری (Calculus) Ureter سے گزرتی ہے تو درد شدید ہوتا ہے جس کو Renal Colic کہتے ہیں اور اگر پتھری ایک سنٹی میٹر کے قریب کی جسامت رکھتی ہو یعنی لوبیا کے دانے کی جسامت تو وہ Ureter میں اٹک جاتی ہے اور مریض کو بہت شدید درد ہوتا ہے اور پیشاب اس مسدود نالی کے اوپر جمع ہو کر نالی کو پھیلاتا ہے اور گردے پر دباؤ ڈالتا ہے چنانچہ اس فشار اور دباؤ کے تحت وہ گردہ پیشاب کی تولید بند کر دیتا ہے اور طرح مزید درد نہیں ہوتا۔ حسن اتفاق یہ ہے کہ حکیم ناجیا کے علاج سے کچھ دن قبل گردہ کا درد ختم ہو چکا تھا جیسا کہ اقبال نے ۱۵ر جون ۱۹۲۸ء کو محمد نیاز الدین کو خط میں لکھا۔۔۔ ''درد فی الحال رُک گیا ہے اور میں حکیم ناجیا صاحب سے علاج کرانے کی خاطر آج شام دہلی جا رہا ہوں''۔ چنانچہ جب دوسرے دن حکیم صاحب نے علاج شروع کیا اُس کے بعد 8-10 سال تک اقبال کو درد گردہ نہیں ہوا۔ علامہ کے جدید طبی آلات یعنی ایکس ریز سے یہ ثابت ہے کہ ان کی پتھری اتنی بڑی تھی جو صرف جراحی یا سرجری سے نکالی جا سکتی تھی شاید انھیں کلاسیک Staghorn Calculus پتھری ہو جو تقریباً تمام گردے کے اخراجی نظام کو گھیر لیتی ہے اس طرح سے ایک تو گردے کی وہ جلد گھٹ جاتی ہے جو پیشاب تولید کرتی ہے دوسرے جو کچھ پیشاب تولید ہوتا ہے وہ پتھر کے اطراف سے اپنا راستہ بنا لیتا ہے۔ یہاں یہ بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ اقبال کا دوسرا گردہ بالکل نارمل تھا چنانچہ ایک گردہ بھی تمام عمر بدن کے لیے کافی رہتا ہے اور شاید اسی لیے دوسرے گردہ کی کمزوری اقبال کی زندگی کو خطرے میں نہ ڈال سکی۔ ان نکات کے سرسری طور پر بیان کرنے کے بعد ہم اصل مطلب پر آتے ہیں جو اقبال اور ان کے معالجین کے لیے معمہ بنا رہا۔

جب جنوری ۱۹۳۴ء میں اقبال کو انفلوئنزا کا بخار آیا اور دو تین ہفتے میں ان کی آواز بیٹھ گئی اور گلے میں مسلسل درد رہنے لگا۔ یونانی اور ایلوپیتھک دواؤں سے چنداں فائدہ نہ ہوا آواز کبھی کبھار قدرے بہتر ہوتی لیکن نارمل نہ ہونے پاتی تو اقبال نے فیملی ڈاکٹر اور دوستوں کے اصرار پر لاہور کے بڑے ہسپتال کے ریڈیولاجسٹ ڈاکٹر ڈک سے سینے کے ایکس ریز لگوائے جس